اقبال کے ملی افکار کا محور
صرف قرآن مجید اور حدیث ہے

(۱)

اقبال اور تصوف

کسی عام فرد کے اعمال و عواطف اور اس کے فکری رجحانات کا احاطہ کرنا آسان نہیں ۔ لیکن نابغہ کے تمایلات کے متعلق کوئی حکم لگانا اور بھی مشکل ہے ، خصوصاً اس صورت حالات میں جب کہ اس کی ذہنی اثر پذیری کا امتداد طویل ہو اور اس کے روابط اور زندگی کے تجارب متعدد ممالک ، اشخاص اور تحریکات پر محتوی ہوں ۔ بیسویں صدی میں علامہ اقبال کی تقریباً نصف صدی (۱۸۹۳ - ۱۹۳۸ء) کی عمر کا دور کچھ ایسے حالات میں بسر ہوا جس کی تفصیل کا جائزہ لینا آج کے موضوع سے خارج ہے ، لیکن ایک بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اقبال اس پینتالیس سالوں میں نہ صرف نابغۂ روزگار کے طور پر ابھرا بلکہ اس صدی کا عظیم ترین نظریاتی مفکر ثابت ہوا ۔ افسوس ہے کہ اقبال کا مکمل مطالعہ اس زاویۂ نگاہ سے نہیں کیا گیا کہ وہ کائنات میں انسان کی اقبال مندی کا کس قدر خواہاں تھا اور اپنے افکار کا محور اس نے کس مشاہدے اور مطالعہ سے پوری دیانت سے منتخب کیا ۔ اس سلسلے میں بعض ایسے مفروضات قائم کیے گئے جن کا نہ کوئی وجود تھا اور نہ شواہد ۔ مثلاً یہ کہا گیا کہ اقبال متصوفین کی ردیفِ اول کا آدمی تھا اور اپنی سوچ میں حسین بن منصور حلاج سے بے حد متاثر تھا ۔ یہ بھی کہا گیا کہ ۱۹۱۶ء تک وہ تصوف اور حسین کا شیدائی تھا ، لیکن اس کے بعد اس کی سوچ بدل گئی :

> ".....they (the undercurrents in his thought) prove also how deeply embedded the roots of his feeling and thinking tradition were—consciously or unconsciously—in the great mystical tradition of his country."
> (Schimmel, 341).

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اقبال صوفیاء کے قادریہ فرقے سے وابستہ تھے :

"Abdul Qadir Gilani, the great Iraqian mystic (d. 1160) and founder of the Qadiriya order to which Iqbal was affiliated, explains the *ana'l haqq* in the following way." (Schimmel, 347 & 372).

علامہ اقبال کا عقیدہ کیا تھا ، اس کے متعلق ایک پختہ اور واضح بیان سن لیجیے جو انھوں نے اپنی وصیت میں درج کیا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :

"میں عقائد دینی میں سلف کا پیرو ہوں ۔ نظری اعتبار سے فقہی معاملوں میں غیر مقلد ہوں ۔ عملی اعتبار سے حضرت امام ابو حنیفہ کا مقلد ہوں"۔[۳]

۱۹۱۷ء کی علامہ کی ایک تحریر پر انحصار کرکے یہ ادعا کیا گیا ہے کہ وہ قادریہ فرقے کے پیرو تھے ۔ یہ ایک خط ہے جو انھوں نے سید سلیمان ندوی کو لکھا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :

"خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بڑی عزت ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے ۔ یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں ۔"[۴]

لیکن اس خط میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے :

"اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے ۔"[۵]

رہی یہ بات کہ وہ بزرگان دین ، آئمۂ کرام اور مشائخ کے مدح خواں تھے تو یہ کوئی انہونی واردات قلب نہیں ہیں ۔ ہر وہ شخص جسے اسلام سے محبت ہے وہ ان خدام دین سے عقیدت کا اظہار کرتا ہے جنھوں نے برجستہ خدمات سر انجام دی ہیں ۔ علامہ خود بھی انھی ذی شعور خواص میں سے تھے ۔ اسی لیے انھوں نے اخلاق مذہب کے متعلق نہایت جامع انداز میں پروفیسر نکلسن کو لکھا :

"میری رائے میں انسان کا اخلاق اور مذہبی منتہائے مقصود یہ نہیں کہ وہ اپنی ہستی کو مٹا دے یا اپنی خودی کو فنا کر دے ، بلکہ یہ کہ

وہ اپنی انفرادی ہستی کو قائم رکھے اور اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے اندر بیش از بیش انفرادیت پیدا کرے ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے :

تخلقوا باخلاق اللہ،

یعنی اپنے اندر صفاتِ الٰہیہ پیدا کرو ۔ پس انسان جس قدر خدا سے مشابہ ہوگا ، اُسی قدر اُس کے اندر شانِ یکتائی اور رنگِ انفرادیت پیدا ہوتا چلا جائے گا ۔"

یہی وجہ تھی کہ خواجہ حسن نظامی کو مخاطب کر کے علامہ اقبال فرماتے ہیں :

"جن لوگوں کے عقائد و عمل کا ماخذ کتاب و سنت ہے ، اقبال ان کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے اور اُن کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت و آبرو پر ترجیح دیتا ہے ۔[۶]

یہ ایسا بیان ہے جس پر آگے چل کر بحث ہوگی کہ اقبال کے منابع فکر ہی قرآن و سنہ تھے نہ کہ تصوف جیسا کہ بہت سے ناقدین (خصوصاً مغربی ناقدین) نے یہ ادعا کیا ہے کہ وہ تصوف سے متاثر تھے۔ بلکہ نام لے کر گنوایا ہے کہ وہ حسین منصور سے بے حد متاثر تھے ۔ اس سلسلے میں تصوف کے مالہٗ وما علیہ پر ایک مختصر سی نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ تصوف اور صوفیاء کے حقیقی عقائد اور اعمال کیا تھے جن سے الگ ہٹ کر اقبال اپنے آپ کو صرف اُن لوگوں کا پیرو بننے پر ترجیح دیتا ہے جن کے عقائد و عمل کا ماخذ کتاب و سنت ہے ۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور حدیث کے حوالے سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ قرآنِ مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جن کی تعبیر متصوفانہ کی جا سکتی ہے لیکن ایک بات واضح اور یقینی ہے کہ قرآنِ مجید یا حدیث میں کہیں بھی تصوف کا ذکر نہیں پایا جاتا ۔ مثلاً یہ آیت تصوف کا وجود ثابت کرنے کے لیے دلیلؔ کے طور پر پیش کی جاتی ہے :

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ
(۵۷ : ۳)

(وہی ہر شے کا اول ہے اور ہر شے کا آخر ہے اور ہر شے کا ظاہر ہے اور ہر شے کا باطن ہے اور وہ ہر شے کی ماہیت سے آگاہ ہے) ۔

میری سمجھ سے یہ بالاتر ہے کہ آیت محولہ بالا میں خدائے بزرگ و برتر کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے انھیں کس منطقی انداز میں تصوف کے ذکر سے مربوط کر لیا گیا ہے ۔

تعجب انگیز بات یہ ہے کہ تصوف کو قرآن سے ماخوذ کرنے کے سلسلے میں غیر مسلموں بلکہ ہندوؤں کے بیانات کو مسلمانوں نے سند اور شہادت کے طور پر استعمال کیا ہے ۔ مثلاً پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں :

"ڈاکٹر ڈونا لڈسن اپنی کتاب " مسلمانوں کا فلسفۂ اخلاق " میں صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے : "بقول ابن خلدون" صوفیوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ آغاز اسلام سے مسلمانوں میں متداول تھا ۔"

"پروفیسر گیوم اپنی کتاب "اسلام" میں صفحہ ۱۴۳ ، ۱۴۴ پر لکھتا ہے : قرآنی تعلیمات میں دنیا سے بے تعلقی اور تصوف کا رنگ بھی پایا جاتا ہے ۔"

"پروفیسر گب اپنی کتاب "محمڈن ازم" میں صفحہ ۱۲۸ پر لکھتا ہے : پروفیسر میسی نیون نے اسلامی تصوف کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مسلمانوں میں تصوف کی تحریک اس زہد و اتقا کا نتیجہ ہے جو قرآن سے ماخوذ ہے اور پیغمبر اسلام کی سنت سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔"

"ڈاکٹر تارا چند اپنی تصنیف "ہندی ثقافت پر اسلام کا اثر ، میں صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں : تصوف کا اصل ماخذ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے ۔"

"پروفیسر ہٹی اپنی تالیف " تاریخ اقوام عرب " میں ص ۳۳۴ پر لکھتا ہے : "تصوف کا ماخذ قرآن اور حدیث ہے ۔"

"پروفیسر براؤن اپنی تالیف "ایران کی ادبی تاریخ ، جلد اول میں صفحہ ۴۱۸ پر لکھتا ہے : "احادیث سے قطع نظر کر کے خود قرآن

میں چند آیات ایسی موجود ہیں جن کی تفسیر صوفیانہ انداز میں ممکن ہے ۔" (تاریخ تصوف ۲۵ - ۱۲۲)

"ڈاکٹر بنٹ اپنی تالیف *Pantheism* مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۹۳ء، صفحہ ۲۰۸ پر لکھتا ہے : "پروفیسر عامر نے لکھا ہے کہ تصوف دراصل اسلام کی باطنی تعلیم کا نام ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے مبادی قرآن سے اخذ کیے جا سکتے ہیں ۔"

لیکن یہ بیانات کس قدر حقیقت سے دور ہیں اس کا اندازہ آپ کو اس امر سے ہوگا کہ تیسری صدی ہجری/نویں صدی عیسوی تک یہ لفظ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا ۔ الجاحظ (وفات ۸۶۹ / ۲۵۶) پہلا آدمی ہے جو اس خطاب کو پہلی دفعہ استعمال کرتا ہے[۸] اور پہلا شخص جس کے لیے یہ کنیت یا لقب استعمال کیا گیا ہے وہ ابو ہاشم کوفی ہے جو ۱۶۲ ہجری میں فوت ہوا ۔ پیر ہرات شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری بروی کہتے ہیں : "اول کسی کہ اورا صوفی گفتند بو ہاشم صوفی بود ۔ شیخ بودہ بشام و باصل کوفیست و بکنیت معروفست ۔ در ایام سفین ثوری بودہ و سفین ثوری گوید : لولا ابو ہاشم الصوفی با معرفت دقیق الریا ۔ و گوید : من ندانستم کی صوفی چہ بود؟ تا ابو ہاشم صوفی را دیدم ۔ وفات سفین الثوری بالبصرہ سنہ احدی و ستین و مائہ ..... و پیش از وی بزرگان بودند در زہد و ورع و معاملات نیکو در طریق توکل و طریق محبت ۔ لکن این نام صوفی نخست با و گفتہ اند[۹] ۔

(صوفی ابو ہاشم پہلا شخص ہے جسے صوفی کہا گیا ہے ۔ وہ شام میں شیخ تھا گو اصلاً کوفی تھا اور (اسی) کنیت سے مشہور ہے ۔ سفیان ثوری کے زمانے میں زندہ تھا ۔ سفیان ثوری کہتا ہے : جب تک میں نے ابو ہاشم کو نہیں دیکھا تھا مجھے معلوم نہیں تھا کہ صوفی کیا ہوتا ہے ۔ سفیان ثوری بصرہ میں ۱۶۱ھ میں فوت ہوا اور اُس (ابو ہاشم) سے پہلے بھی بزرگ گزرے ہیں جو زہد و ورع اور نیک معاملے میں طریق توکل اور طریق محبت پر تھے لیکن صوفی کا نام سب سے پہلے اسے ہی دیا گیا ہے) ۔

یہ تو لفظ صوفی اور اس کے استعمال کی ایجاد کی تاریخ ہے جس پر علماء کا اتفاق ہے ۔ یعنی دوسری صدی ہجری / آٹھویں صدی عیسوی تک اس لفظ کا وجود تک قائم نہیں تھا چہ جائیکہ قرآن و سنہ سے اس کا ماخوذ ہونا ثابت ہوتا

ہو ۔ اقبال نے اسلام میں عقلیت (*Rationalism*) کی دخالت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا :

"We are all familiar with the Rationalist movement which appeared in the church of Islam duriug the early days of the Abbasides, and the bitter controversies which it raised...

The rise and growth of ascetic Sufism, which gradually developed under influences of a non-Islamic character, a purely speculative side, is to a large extent responsible for this attitude. On its purely religious side Sufism fostered a kind of revolt against the verbal quibbles of our early doctors. The case of Sufyan Sauri is an instance in point. He was one of the acutest legal minds of his time and was nearly the founder of a school of law ; but being also intensely spiritual, the dry-as-dust subtleties of contemporary legists drove him to ascetic Sufism. On its speculative side which developed later, Sufism is a form of free thought and in alliance with Rationalism. The emphasis that it laid on the distinction of *zahir* and *batin* (Appearance and Reality) created an attitude of indifference to all that applies to Appearance and not to Reality.

"This spirit of total other-worldliness in later Sufiism obscured men's vision of a very important aspect of Islam as a social polity, and offering the prospect of unrestrained thought on its speculative side attracted it and finally absorbed the best minds in Islam. The Muslim State was thus left in the hands of intellectual mediocrities, and the unthinking masses of Islam, having no personalities of a higher calibre to guide them, found their security only in blindly following the schools.[10]

گویا اقبال کے نزدیک تصوف آزادہ روی اور عقلیت کے مجموعہ کا نام ہے اور اسلام اور حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ اس کے باوجود عیسائی ،

یہودی اور ہندو اور اُن کے طریق پر سوچنے والے اقبال کا منبع الہام تصوف کو بتانے پر مصر ہیں ۔

صوفی کا لفظ کس طرح ایجاد ہوا ۔ اس کے متعلق ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا ۔ ابو الحسن قناد کا خیال ہے کہ صوفی صفا سے مشتق ہے اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے ۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو لوگ کدورت بشریت سے پاک و صاف کر دیے گئے وہ صوفی کہلانے لگے ۔ بعض لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ چونکہ ان لوگوں کا لباس صوف (پشمینہ) کا ہوتا تھا اس لیے یہ صوفی کہلائے ۔ پھر یہ بھی کہا گیا کہ اصحاب صفّہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موصوف ہوئے لیکن دوسری صدی ہجری / آٹھویں صدی عیسوی میں ایجاد ہونے والے اس لفظ کے حامل لوگوں کا حشر چوتھی ہجری میں یہ ہو چکا تھا کہ رسالۃ القشیریہ کے مولف ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن لکھتے ہیں :

> "اس طبقہ کے جو محققین تھے ، ان میں سے اکثر اٹھ گئے اور ہمارے زمانے میں ان لوگوں کی بس یاد ہی باقی رہ گئی ۔ اصل طریقہ گویا مفقود ہی ہو گیا ہے اور حقیقت کے میدان میں سناٹا چھا گیا ہے ۔ نہ وہ بوڑھے باقی رہے جن کی راہ پر چلا جائے اور نہ وہ جوان جن کی سیرت اختیار کی جائے ۔ زہد و تقویٰ کی بساط ہی الٹ گئی اور حرص و طمع کا دور دورہ آ گیا ۔ شریعت کا احترام تک دلوں سے مٹ گیا اور دین کی طرف سے بے پروائی اور آسان ہو گئی ۔ احکام کی عظمت نہ رہی اور عبادات ، نماز ، روزہ کی بے وقعتی دلوں میں سما گئی اور غفلتوں اور شہوتوں کی طرف رجحان عام ہو گیا ۔[۱۱]

کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف پر پہلی کتاب ہے جو پانچویں صدی ہجری/ گیارہویں صدی عیسوی میں سید علی ہجویری نے لکھی ہے ۔ اس میں صوفیوں کے بارہ فرقوں کا ذکر ہے ۔ جن میں سے دس مقبول سلسلوں کے نام (محاسبیہ ، قصاریہ ، طیفوریہ ، جنیدیہ ، نوریہ ، سہیلیہ ، حکیمیہ ، خرازیہ ، خفیفیہ ، سیاریہ) گنوائے گئے ہیں اور دو کو مردودین اور اہل ضلالت کہا گیا ہے ۔ ان میں سے ایک سلسلۂ حلولیہ ہے جس کا بانی ابو حکمان دمشقی تھا اور دوسرے کا نام فارسی بتایا گیا ہے ۔ حلولیہ گروہ کے آدمی ہندوؤں کی طرح تناسخ کے قائل تھے اور فارسی اپنے آپ کو بظاہر حلاج کے پیرو بتاتے

تھے - سید علی ہجویری (داتا گنج بخش) کہتے ہیں - مجھے ان دونوں فرقوں کے متعلق زیادہ تفاصیل معلوم نہیں -[۱۲]

اس ساری صورت حالات کو دیکھتے ہوئے اقبال یہ کہنے پر مجبور ہوئے :

"The presence of Christianity was a further contributory factor in the growth of Sufism."[13]

یا یہ کہ :

"It was, however, principally the actual life of the Christian hermit rather than his religious ideas, that exercised the greatest fascination over the minds of early Islamic saints."[14]

اس تمہید سے واضح ہوگیا ہوگا کہ علامہ اقبال تصوف سے اس طرح متاثر نہیں تھے کہ انھوں نے صوفیوں کے نظامِ حیات کی تفاصیل کو مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول سمجھا ہو یا اس سے اپنے افکار کو جلا دی ہو - بلکہ انھوں نے بڑی وضاحت سے اس طرزِ حیات کو مشعلِ راہ بنانے سے احتراز کرنے کی تلقین کی -

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

اب حجرۂ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خونِ دلِ شیراں ہو جس فقر کی دستاویز

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبت میں یکتا ، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا[۱۵]

اس موقع پر ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک علامہ اقبال کے عقائد کا تعلق ہے اُن کے متعلق یہ مفروضہ درست نہ ہوگا کہ

اگر وہ تصوف سے متاثر نہیں تھے تو بزرگانِ دین ، مشایخ یا برجستہ دینی شخصیات سے بھی متاثر نہیں تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر حقیقی عالم کے لیے ہر وقت کلمۂ خیر و احترام کہنے کے لیے آمادہ رہتے تھے جیسا کہ اُن کے نظم و نثر کی تالیفات سے واضح ہے ۔ البتہ مجہول افراد علم و دین سے انھیں دلچسپی نہیں تھی ۔ اُنھوں نے اپنی تالیفات میں اسلامی معیاری مردانِ کامل کے لیے مردِ قلندر ، مردِ مومن اور مردِ حر کے تعریفی کلمات استعمال کیے ہیں ۔ اس کے لیے اُن کا منبع فکر اور مشعل ہدایت مثنوی مولانا روم تھی جس میں بات توحید و رسالت سے شروع کرکے انسان کے فعل کا معیار پرتوِ صفات باری تعالیٰ کو قرار دیا گیا ہے ۔

فعل حق و فعل ما ہر دو ببین

(اگر ہمارے اعمال کو جانچنا ہے تو فعل حق کو سامنے رکھو)

اور جس میں یونانیوں کی حکمت (جو اقبال کے بقول اسلامی تصوف کی بنیاد ہے) سے دور رہ کر صرف اہل ایمان کی پیروی کی تلقین کی گئی ہے ۔

تا بکی از حکمتِ یونانیان
حکمت ایمانیان را ہم بخوان

(یونانیوں کی حکمت کے پیچھے کب تک دوڑتے رہو گے ۔ اہلِ ایمان کی حکمت کو بھی سمجھنے کی کوشش کرو)

مولاناے روم جس کو اقبال اپنا مرشد مانتے ہیں ، خود بھی یونانی حکمت کو مردود قرار دے رہے ہیں اور اُسی خود نگری کا درس دیتے ہیں جسے اقبال نے "تحفظ خودی" کے عنوان سے طویل مباحث کا موضوع بنایا ہے جن کا ذکر آگے آئے گا ۔

گر تو خواہی از درونِ خود بخوان

چارہ آں باشد کہ خود را بنگرم

اور اقبال اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں :

زندہ ای یا مردہ ای یا جان بلب
از سہ شاہد کن شہادت را طلب

شاہد اول شعور خویشتن
خویش را دیدن بنور خویشتن

(تم زندہ ہو یا مردہ یا مرنے کے قریب ہو - بہر صورت اپنے آپ کو جانچنے کے لیے تمھیں تین منابع سے شہادت لینی چاہیے - سب سے پہلا شاہد اپنے آپ کا شعور ہے - یعنی اپنے آپ کو قلبِ منور سے جانچنا ہے)

انسان کو جانچنے کا یہی معیار سکھانے والے کو اقبال اس لیے اپنا مرشد قرار دیتا ہے کہ وہ راستبازی کی معراج ہے :

پیر رومی آں امامِ راستان
آشنائی ہر مقام راستان

(مولانا روم راستبازوں کے امام ہیں اور اُن کے ہر مقام کو پہچانتے ہیں)

اقبال کے امام راستان رومی نے "مردِ خدا" کی جو تعریف کی ہے ۔ اُسے بھی سن لیں تا کہ اقبال کو سمجھنے میں آسانی ہو :

مردِ خدا شاہ بود زیر دلق
مردِ خدا گنج بود در خراب

مردِ خدا نیست ز باد و ز خاک
مردِ خدا نیست ز نار و ز آب

مردِ خدا بحر بود بی کران
مردِ خدا بارد دُرِ بی حساب

مردِ خدا عالم از حق بود
مردِ خدا نیست فقیہہ از کتاب

مردِ خدا زاں سوی کفر ست و دین
مردِ خدا را چہ خطا و چہ صواب

مردِ خدا گودڑی پہنے ہوئے بھی بادشاہ ہوتا ہے -

وہ اُس خزانے کی مانند ہے جو ویرانے میں مستور ہے -

مردِ خدا ہوا اور خاک کا بنا ہوا نہیں ہوتا -

وہ آگ اور پانی سے بھی نہیں بنتا -

وہ تو ایک بحرِ بے کنار ہے جو ،

بے حساب موتی برساتا رہتا ہے -

مردِ خدا صحیح معنوں میں خدا کو پہچاننے والا ہوتا ہے -

وہ صرف کتابیں پڑھ کر قانون داں نہیں بن جاتا -

مردِ خدا ایسا دیندار ہوتا ہے جس سے کفر کبھی سرزد نہیں ہوتا -

لہٰذا وہ صرف نیکی ہی نیکی کرتا ہے اور کبھی خطا نہیں کرتا -

(۱۹۸۲ء)

حواشی

1. Schimmel, Annemarie, ***Gabriel's Wing***, pp. 314, 342 and 346.
2. ***Ibid.***, 346.

۳ - روزگارِ فقیر ، فقیر سید وحید الدین ، ص ۵۹ -

۴ - اقبال نامہ ، مرتبہ شیخ عطاء اللہ ، مجلد اول ، ص ۷۹ -

۵ - اقبال نامہ ، مرتبہ شیخ عطاء اللہ ، مجلد اول ، ص ۷۸ -

۶ - انوارِ اقبال ، ص ۱۸۶ -

۷ - تاریخ تصوف ، پروفیسر یوسف سلیم چشتی ، ص ۱۰۵ -

Mazharuddin Siddiqi. ***Concept of Muslim Culture in Islam***, p. 48.

۸ - تاریخ الفلسفته العربیه خلیل الجارو حنا الفخری ، جلد اول ، ص ۲۹۳ -

۹ - طبقات الصوفیه ، خواجه عبدالله انصاری ، ص ۷ -

10. Iqbal, Sir Muhammad, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, pp. 142-143.

۱۱ - رسالة القشیریه ابو القاسم عبدالکریم بن هوازن القشیری (ص ۲ ، ۳) ترجمه از عبدالماجد در تصوف اسلام ، ص ۸۸ -

۱۲ - کشف المحجوب ، سید علی هجویری، ص ۱۹۵ -

13. Iqbal, Muhammad, *Metaphysics in Persia*, p. 79.

14. *Ibid.*, 80.

۱۵ - بال جبریل ، ص ۱۱۸ -